روحانی ترقی کے راستے

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ گلشن اقبال کراچی

سلسلہ مواعظ حسنہ نمبر ۱۴۲

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ

حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حسبِ ہدایت وارشاد

حلیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم

بہ فیضِ صحبتِ ابرار یہ دردِ محبّت ہے
بہ اُمّیدِ نصیحت دوستو اسکی اشاعت ہے

محبّت تیرا صدقہ ہے ثمر ہیں تیرے نازوں کے
جو مَیں یہ نشر کرتا ہوں خزانے تیرے رازوں کے

انتساب

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدّدِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے ارشاد کے مطابق حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ تصانیف و تالیفات

محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

اور

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی

صحبتوں کے فیوض و برکات کا مجموعہ ہیں

ضروری تفصیل

وعظ : روحانی ترقی کے راستے

واعظ : عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ وعظ : ۲ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۹۱ء، بروز جمعرات، صبح چھ بجے

مرتب : جناب سید عمران فیصل صاحب (خلیفہ مُجازِ بیعت حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ)

تاریخِ اشاعت : ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۵ء

زیرِ اہتمام : شعبہ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی

پوسٹ بکس:11182 رابطہ:+92.21.34972080، +92.316.7771051

ای میل:khanqah.ashrafia@gmail.com

ناشر : کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال، بلاک ۲، کراچی، پاکستان

قارئین و محبین سے گزارش

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کراچی اپنی زیرِ نگرانی شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی شایع کردہ تمام کتابوں کی ان کی طرف منسوب ہونے کی ضمانت دیتا ہے۔ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی تحریری اجازت کے بغیر شایع ہونے والی کسی بھی تحریر کے مستند اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہونے کی ذمہ داری خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کی نہیں۔

اس بات کی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی کتابوں کی طباعت اور پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ! اس کام کی نگرانی کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے شعبۂ نشر و اشاعت میں مختلف علماء اور ماہرین دینی جذبے اور لگن کے ساتھ اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں تاکہ آیندہ اشاعت میں درست ہو کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ ہو سکے۔

(مولانا) محمد اسماعیل
نبیرہ و خلیفہ مُجاز بیعت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ
ناظم شعبۂ نشر و اشاعت، خانقاہ امدادیہ اشرفیہ

عنوانات

روحانی ترقی کے راستے

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

گنگوہ میں حضرت شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ ابو سعید پتنگ بازی، کبڈی اور غفلت کے دیگر کاموں میں مبتلا تھے۔ ایک دن مسجد میں مٹی کا لوٹا گر کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ مسجد کا مؤذن شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض یافتہ خاص مرید تھا، اس نے کچھ پڑھ کر دم کیا تو لوٹا جڑ گیا۔ پوتے صاحب کہنے لگے کہ یہ کمال آپ نے کہاں سے حاصل کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تو آپ کے اپنے گھر کی دولت ہے۔ اب پوتے صاحب نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ یہ دولت کہاں سے ملے گی؟ انہوں نے کہا کہ بلخ میں تمہارے دادا کے خلیفہ سلطان نظام الدین بلخی ہیں، وہ تمہارے دادا کی ساری دولت لوٹ کر لے گئے۔ اب وہ اپنے دادا کی دولت لینے بلخ چلے۔ جب شیخ کو معلوم ہوا کہ میرے پیر کا پوتا آرہا ہے تو ان کے استقبال کے لیے دور دور تک قالین بچھائے اور شیخ کے جتنے بڑے بڑے مرید اور خلفاء تھے سب کو کہلوا بھیجا کہ ہمارے شیخ کے پوتے آرہے ہیں۔

محبوب سے منسوب ہر شے محبوب ہوتی ہے

اس پر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ کوئی محبوب کا ہر ذرّہ واجب الاحترام ہوتا ہے۔ جس کو اللہ سے محبت ہے، اُسے اللہ کے شہر اور اللہ کے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے، مکہ شریف سے بھی محبت ہوتی ہے اور مدینہ شریف سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اسی لیے مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مجنوں و لیلیٰ کی محبت سے مولیٰ کی محبت سکھا رہے ہیں کہ مجنوں کہتا ہے ؎

آں سگِ کو گشت در کویش مقیم
خاکِ پایش بہ ز شیرانِ عظیم

جو کتّا میرے محبوب، میری لیلیٰ کی گلی میں مقیم ہے اس کے پیروں کی خاک میرے نزدیک بڑے بڑے شیروں سے افضل ہے۔ آہ کیا بات ہے! حالاں کہ کتے کو صرف یہ نسبت حاصل ہے کہ وہ لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں کے نزدیک مدینہ منورہ کا ایک ایک ذرّہ محترم ہے کیوں کہ اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حاصل ہے۔ اس پر ایک واقعہ سناتا ہوں۔

اہل مدینہ کا اکرام

مدینہ منورہ میں دیہات کی کالی عورتیں برقعہ میں اُبلے ہوئے انڈے بیچنے آتی تھیں۔ ہمارے ایک جاننے والے ان سے انڈے خریدا کرتے تھے۔ ایک دن انڈے گندے نکل آئے تو انہوں نے کہا کہ اب ہم تم لوگوں سے انڈے نہیں خریدیں گے۔ وہ بیچاری مایوس ہو کر واپس چلی گئیں۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ عورتیں بہت دور سے آتی ہیں، بے چاری غریب ہیں، ان سے انڈے لے لیا کرو، ان کو مایوس نہ کیا کرو۔ بس ان کے تو ہوش اُڑ گئے، اب تو وہ فجر پڑھتے ہی انتظار کررہے ہیں کہ کب وہ عورتیں آئیں اور کب ہم ان سے انڈے خریدیں لہٰذا وہ روزانہ ان سے انڈے لینے لگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ والوں پر کیا نگاہِ عنایت ہے۔

محبت کے آداب کیا ہیں؟

مولانا رومی کا مثل ابھی تک پیدا نہیں ہوا حالاں کہ چھ سو برس گزر گئے ہیں لیکن ابھی تک ایسا کوئی ولی اللہ پیدا نہیں ہوا جس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت کے ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار نکلے ہوں اور نہ قیامت تک ایسے آثار نظر آتے ہیں۔ بس سمجھ لو کہ مثنوی شریف اپنی نوعیت کی آخری کتاب ہے۔ یہ بات آثار و علامات سے کہہ رہا ہوں، دعویٰ نہیں کررہا ہوں۔ آپ لوگ ذرا الفاظ کی احتیاط پر بھی غور کرلیا کیجیے۔ ہمارے جتنے اکابر علماء تھے مثلاً حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم یہ سب مثنوی کو سر آنکھوں پر رکھتے تھے، ان

میں سے کوئی ایسا مقرر نہیں تھا جو اپنی تقریر میں مثنوی مولانا رومی کا شعر نہ پیش کرتا ہو، ان میں سے کوئی ایسا مصنف نہیں تھا جو ان کے شعر کو اپنی تصانیف میں اپنی دلیل کی تائید میں پیش نہ کرتا ہو۔ تو مولانا رومی فرماتے ہیں کہ دیکھو محبت کے آداب یہ ہیں کہ کوئے محبوب کا ہر ذرّہ واجب الاحترام ہوتا ہے جیسے مجنوں اپنی لیلیٰ کی محبت میں کہہ رہا ہے ؎

آں سگِ کو گشت در کویش مقیم
خاکِ پایش بہ ز شیرانِ عظیم

جو کتّا لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے، اس کے پیروں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے افضل ہے۔ بتایئے! کہاں شیر کہاں کتے کے پیر کی خاک، لیکن ذرا مجنوں کی نظروں سے اس خاک کی اہمیت کو دیکھیں۔ پھر مولانا فرماتے ہیں ؎

آں سگِ کو باشد اندر کوئے او
من بہ شیراں کہ دہم یک موئے او

جو کتّا میرے محبوب لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے اگر شیر اس کا ایک بال بھی مانگیں تو میں ان کو اس کا ایک بال بھی نہیں دے سکتا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں ؎

اے کہ شیراں مر سگانش را غلام
گفتن امکاں نیست خامش والسلام

اے دنیا والو! بہت سے شیر محبوب کے کتے کے غلام بن چکے ہیں، مگر آپ ہماری یہ باتیں نہیں سمجھ سکتے اس لیے نہ سمجھنے والوں کو بس میں سلام کرتا ہوں۔ اب اس سے زیادہ ہم اپنی محبت کی عظمتوں کو بیان نہیں کرسکتے اور نہ تم سمجھ سکتے ہو لہٰذا اب میرا سلام لو یعنی اب میں آگے کچھ بیان نہیں کرتا۔ مولانا کا مطلب یہ ہے کہ نسبت بہت بڑی چیز ہے۔ اس سے سمجھ لو کہ اللہ پاک سے، اللہ والوں سے اور اپنے شیخ سے کس طرح محبت کرنی چاہیے اور مدینہ پاک کے ایک ایک ذرّے کا کتنا احترام کرنا چاہیے اور حرم مکہ کے ذرّوں کو کس طرح پیار کرنا چاہیے۔ ان قصّوں سے مولانا رومی کا مقصد لیلیٰ مجنوں کے قصّے کہانیاں سنانا نہیں ہے، ان کا مقصد اللہ و رسول کی محبت کے آداب سکھانا ہے۔

شاہ ابو سعید کے راہِ سلوک میں مجاہدات

تو شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے پوتے کے اکرام میں قالین بچھادیئے اور پوتے صاحب کو اپنے قریب بٹھایا اور بریانی اور کباب پیش کیے۔ پھر پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ اپنی اصلاح کے لیے آیا ہوں اور آپ میرے دادا سے جو دولت لائے ہیں وہ لینے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں تو سمجھا تھا کہ آپ صرف ملاقات کے لیے آئے ہیں، اصلاح تو بریانی کھانے اور قالین بچھانے سے نہیں ہوگی، اب تو مجھے دوسرا رویّہ اختیار کرنا پڑے گا، اگر آپ سچّے اور مخلص ہیں، اگر آپ اپنے دادا کی دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر یہ بریانی اور شامی کباب نہیں ملے گا، اب آپ کو ارہر کی دال اور جو کی روٹی ملے گی اور آپ مجلس میں میرے پاس بھی نہیں بیٹھیں گے، دور بیٹھیں گے بلکہ آپ کو کچھ دن تو میری مجلس میں آنے کی اجازت ہی نہیں ہوگی۔ آپ کو میرے شکاری کتّوں اور کھیتوں کی حفاظت کرنے والے کتّوں کو جن کا پالنا شریعت میں جائز ہے ان کو گوشت اور چھیچھڑے کھلانا اور ان کی صفائی کا خیال رکھنا ہوگا۔

اب کتّوں کی خدمت ان کے حوالے ہوگئی، کیوں کہ بزرگوں کی اولاد کے دماغ میں بڑائی رہتی ہے کہ میں فلاں کی اولاد ہوں، یہ اَنا کا مرض بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ وہ بے چارے ارہر کی دال اور جو کی روٹی کھانے لگے جو حلق میں پھنستی تھی اور مشکل سے نگلی جاتی تھی، اب بے چارے بھوک سے سوکھ رہے تھے اور شیخ بلخی مسلسل اُن کی نگرانی کر رہے تھے کہ ان کے کیا حالات ہیں، دل سے برابر ان کی طرف توجہ تھی لیکن کیا کریں روحانی اور باطنی دولت دینی ہے، اگر وہ پیار کرتے اور نفس کا کانٹا نہیں نکالتے تو ان کا کام نہیں بنتا۔

غرض چھ مہینے کے بعد انہوں نے ایک بھنگن سے کہا اور بھنگن بھی کیسی تھی ساٹھ سال سے اوپر کی تھی۔ شیخ اللہ والے ہوتے ہیں، اللہ انہیں سمجھ دیتا ہے، یہ نہیں کہ اس کی آزمائش کے لیے بیس برس کی بھنگن کو بھیج دیں، وہ ساٹھ برس سے اوپر کی بھنگن تھی، اس میں کسی درجہ کی کوئی کشش نہیں تھی تو اس بھنگن سے کہا کہ جب تم کُوڑا لے کر جاؤ تو تھوڑا سا کُوڑا ہمارے شیخ کے پوتے کی طرف گرا دینا اور وہ جو کہے مجھے آکر بتانا۔ اس نے تھوڑا سا کوڑا شاہ

ابوسعید پر گرایا اور آگے چلی گئی۔ تو غصّے کی وجہ سے شاہ ابوسعید کی آنکھیں لال ہو گئیں اور ان کے منہ سے نکلا کہ نہ ہوا گنگوہ ورنہ تیری کھال کھینچ لیتا، دیکھ کر نہیں چلتی۔ بھنگن نے آکر شیخ کو بتادیا کہ ان کی آنکھ لال ہو گئی تھی اور کہا کہ نہ ہوا گنگوہ ورنہ کھال کھینچ لیتا۔ شیخ بلخی نے کہا کہ ابھی نفس مرا نہیں ہے، ابھی چھ مہینے اور جو کی روٹی کھلانی پڑے گی۔ چھ مہینے کے بعد پھر امتحان ہوا۔ یہ ان کے پرچے ہو رہے ہیں، جیسے اسکول کالج کے لڑکے کہتے ہیں کہ آج کل ہمارا پیپر ہو رہا ہے۔ تو بھنگن سے پھر کُوڑا بھروایا اور اس سے کہا کہ اب تم ذرا زیادہ کوڑا گرانا، پہلے تو ایک پاؤ گرایا تھا، اس مرتبہ دو کلو گرانا پھر دیکھنا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ بھنگن نے دو کلو کوڑا گرادیا، اس مرتبہ ان کی صرف آنکھ لال ہوئی مگر بولے کچھ نہیں، یہ نہیں کہا کہ نہ ہوا گنگوہ ورنہ کھال کھینچ دیتا۔ غرض چھ مہینے اور رگڑا لگوایا، جو کی روٹی کھلائی اور اپنے پاس نہیں آنے دیا۔

بعض لوگ جو شیخ کے بہت قریب ہوتے ہیں ان کے اندر خطرہ ہوتا ہے، ان میں عجب و کبر ہو جاتا ہے کہ میں شیخ کا بہت مقرب ہوں، اس لیے ان پر شیخ کی ڈانٹ پڑتی رہتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب اتنی ذرا ذرا سی بات پر اتنی زیادہ ڈانٹ کیوں پڑتی ہے؟ تو وہ ڈانٹ ان کا ڈینٹ نکالنے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر فٹ بال میں زیادہ ہوا بھر جائے تو تھوڑی سی ہوا کم کرنی پڑتی ہے، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بعض قریب والوں کو کبھی کبھی ڈانٹ پڑتی رہتی ہے۔

چھ مہینے کے بعد پھر تیسرا پرچہ ہو رہا ہے۔ اب شیخ نے بھنگن سے کہا کہ سارا ہی کوڑا گرادینا اور تم بھی گر پڑنا۔ بس وہ سارا کوڑا گرا کر خود بھی گر پڑی، اس دفعہ ان کی آنکھ لال نہیں ہوئی بلکہ وہ رونے لگے کہ آہ! میرے شیخ کی بھنگن کو کیا ہو گیا۔ جلدی سے شور و غل مچا کر لوگوں کو بلایا کہ بھئی دیکھو میرے شیخ کی بھنگن کو کیا ہو گیا۔

نسبت شیخ کی کرامت

جب شیخ سے نسبت قائم ہوتی ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ سے بھی نسبت قائم ہو جاتی ہے، یہ نسبت جو زمین پر شیخ سے قائم ہوتی ہے یہی نسبت آسمان پر اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ جس صحابی کو اپنے نبی کے ساتھ جتنی قوی نسبت ہوتی ہے، آسمان پر اتنی ہی بڑی نسبت اس کو خدا سے عطا ہوتی ہے اور جب نبی نہیں ہوتے تو ان کے بعد اس اُمت کے اولیاء اور نائبینِ انبیاء کے

ساتھ بھی یہی معاملہ ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی محبت کی، اپنی جان، مال اور آبرو سب کچھ فدا کردیا تو اس کی برکت سے علماء کے پیر بن گئے، میرے مرشد ثانی مولانا ابرار الحق صاحب نے بھی ان کو اپنا شیخ بنایا۔ اعظم گڑھ شبلی منزل میں پانچ عالم بیٹھے تھے، مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے علاوہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے، ڈاکٹر صاحب اصطلاحاً تو غیر عالم تھے مگر ان کا علم بہت تھا۔ مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ سب علماء خاموش اور ادب سے بیٹھے تھے اور خواجہ صاحب میرِ مجلس تھے اور حضرت تھانوی کے ملفوظات ارشاد فرمارہے تھے اور سب سن رہے تھے۔ یہ ہوتا ہے شیخ کا عشق ؎

عشق جس کا امام ہوتا ہے
اونچا اُس کا مقام ہوتا ہے

شاہ عبد الغنی صاحب کی کیفیت جذب

خواجہ صاحب مسٹر تھے، اُن کے پاس کسی دار العلوم کی ڈگری نہیں تھی لیکن علماء کے شیخ بن گئے۔ خواجہ صاحب ہمارے مدرسہ بیت العلوم بھی تشریف لائے تھے اور اس سے پہلے پھولپور بھی تشریف لے گئے تھے۔ حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جب وہ پھولپور میرے یہاں آئے تو لالٹین کا شیشہ صاف نہیں تھا۔ میرے شیخ حضرت شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ پر استغراقی کیفیت طاری رہتی تھی کیوں کہ وہ آٹھ آٹھ گھنٹے عبادت کرتے تھے اور انواراتِ حق میں اس قدر غرق رہتے تھے کہ بعض مرتبہ اپنا نام بھی بھول جاتے تھے تو ایسا شخص لالٹین صاف کرنا کیا یاد رکھے گا۔ حضرت کی اللہ کے ساتھ تعلق کی ایسی کیفیت تھی کہ جب ماسٹر عین الحق جو تار بابو تھے انہوں نے حضرت سے زمین داری کے کاغذ پر دستخط کرنے کے لیے کہا کہ حضرت! دستخط کردیجیے، زمین کا یہ کاغذ آج کورٹ میں جمع کرانا ہے۔ اُس وقت حضرت کسی خاص کیفیتِ جذب میں تھے۔ حضرت نے دستخط کرنے کے لیے بہت سوچا مگر اپنا نام ہی نہیں یاد آیا، جب نام یاد آیا نہیں تو تار بابو ہی سے پوچھا کہ بھائی!

میرا نام کیا ہے؟ اس پر ماسٹر عین الحق صاحب کو ہنسی آگئی تو حضرت نے ڈانٹ کر فرمایا کہ میرا نام کیوں نہیں بتاتے ہو؟ کہا کہ حضرت آپ کا نام عبد الغنی ہے۔ پھر تو ماسٹر صاحب جلدی سے دستخط لے کر وہاں سے بھاگے۔ بعض اوقات اللہ والوں پر جذب کی ایک خاص کیفیت اور اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا ہی بھولے ہوئے ہوتے ہیں۔

تو اس لالٹین کو دیکھ کر خواجہ صاحب نے کہا کہ لالٹین میں تین بتی نکلی ہوئی ہے، اور اندر بہت دھواں ہو رہا ہے پھر خواجہ صاحب خوب ہنسے مگر چوں کہ حضرت کے معتقد تھے اس لیے یہ نہیں کہا کہ صاحب آپ کے یہاں انتظام کی خرابی ہے۔ ہر شخص کی انتظامی خرابی پر اعتراض مت کرو، جس کی روح اللہ تعالیٰ کے قرب میں مست ہو اور حق تعالیٰ کے غلبۂ تعلق سے بے انتظام ہو، اس بے انتظامی پر اعتراض مت کرو، اگر شوق ہے تو خود انتظام کر دو، خود شیشہ صاف کر لو، ہاں جو غفلت اور کاہلی و سستی سے اور اپنے بشری تقاضے کے تحت ڈھیلے پن سے انتظام میں گڑبڑ کرے وہ قابل اعتراض ہے۔ مگر جس کی روح حق تعالیٰ کے ساتھ اتنی زیادہ چپک گئی ہو کہ اسے دنیا کی کچھ خبر ہی نہ ہو حتیٰ کہ جو اپنا نام تک بھول جائے، بتایئے وہ لالٹین کہاں یاد رکھے گا؟ تو خواجہ صاحب حضرت کو پہچانتے تھے کیوں کہ اللہ والے اللہ والوں کو پہچانتے ہیں، لہٰذا خواجہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت! جب پرانی روشنی کا یہ حال ہے تو نئی روشنی یہاں اپنا اثر نہیں کر سکتی۔

خواجہ صاحب کی صفت محبوبیت

یہ واقعہ حضرت پھولپوری نے مجھے خود سنایا۔ اس کے بعد خواجہ صاحب سرائے میر مدرسہ گئے، وہاں کے مؤذن صاحب ساٹھ ستر برس کے بڈھے حاجی یعقوب صاحب تھے۔ ان کی آواز میں بہت کڑک تھی، اقامت بھی ایسی کہتے تھے جیسے کوئی اذان کہتا ہے، ان کی آواز قدرتی طور پر بڑی تگڑی تھی۔ جب خواجہ صاحب نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ایسی اقامت انہوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ اب مؤذن نے جو اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا تو خواجہ صاحب نے کہا ارے باپ رے! اور کانوں پر انگلی رکھ لی۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب اور سب ہنس پڑے۔

آہ! خواجہ صاحب ایسے محبوب تھے کہ لوگ ان کو دیکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ

خواجہ صاحب لدھیانہ سے امرتسر اپنے پیر بھائی جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی مفتی محمد حسن امرتسری سے ملنے جارہے تھے۔ لدھیانہ اسٹیشن پر گاڑی بدلنی تھی اور گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ تھی تو خواجہ صاحب وہاں بیٹھے گئے، ان کے ساتھ ان کے دوست احباب بھی تھے، انہوں نے اللہ کی محبت کا بیان کرنا شروع کردیا۔ اب ایک آدمی آیا، دو آئے، یہاں تک کہ مجمع لگ گیا۔ خواجہ صاحب خوبصورت بھی بہت تھے اور شاعر بھی غضب کے تھے اور ماشاءاللہ ان کی اُردو بھی بہت اچھی تھی، اشک بار آنکھوں سے، تڑپتے ہوئے دل کے ساتھ شعر پڑھتے تھے جس کا زبردست اثر ہوتا تھا۔ جب وہ کسی مشاعرے میں شعر پڑھتے تھے تو سارے مشاعرے میں کوئی اُن کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے مقابلے میں جگر صاحب اپنی غزل جیب میں رکھ کر واپس چلے گئے کہ آپ کے ہوتے ہوئے میں نہیں پڑھ سکتا۔ اس مشاعرے میں جب خواجہ صاحب شعر پڑھنے آئے تھے تو پہلے تو لوگ سمجھے کہ کوئی مُلّا، کوئی مؤذن آگیا ہے، یہ کیا شعر پڑھے گا۔ خواجہ صاحب ایک خاص انداز سے پڑھتے تھے، ان کی آواز میں بڑا کیف تھا، جب انہوں نے نعت شریف کا یہ شعر پڑھا۔

گھٹا اُٹھی ہے تو بھی کھول زُلفِ عنبریں ساقی
ترے ہوتے فلک سے کیوں ہو شرمندہ زمیں ساقی

اس میں سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے یعنی جس زمین پر آپ کا جسمِ مبارک ہے اس زمین کو آسمان سے شرمندگی نہیں ہے بلکہ آسمان رشک کررہا ہے کہ کاش یہ جسمِ مبارک میرے پاس ہوتا۔ بس جگر صاحب نے خواجہ صاحب کا یہ شعر سن کر اپنی غزل جیب میں رکھ لی کہ اب ہم کیا پڑھیں۔

بیانِ دردِ دل کافر پر بھی اثر انداز ہوتا ہے

تو لدھیانہ کے اسٹیشن پر خواجہ صاحب کا مضمون چل رہا تھا۔ سکھ اسٹیشن ماسٹر نے جب دیکھا کہ مجمع لگا ہوا ہے اور ایک گورے چٹے نورانی چہرے والے بزرگ شعر پڑھ رہے ہیں اور اس کی شرح کررہے ہیں اور اللہ کی محبت بیان کررہے ہیں تو وہ بھی سننے لگا، اسے بھی مزہ

آنے لگا۔ کون کافر ہے جس کو اللہ کے نام میں مزہ نہ آئے۔ ارے! اگر ہندو سے بھی درد بھرے دل سے اللہ کے نام کا تذکرہ کرو تو وہ بھی رونے لگتا ہے، غیر مسلم اپنی غلطی سے رسالت سے تو دور ہیں مگر اللہ کو تو سب ہی مانتے ہیں، کوئی کافر ایسا نہیں جو اللہ کو نہ مانتا ہو مگر اسے صحیح مذہب، صحیح راستہ، خاتم الانبیاء کا راستہ نہیں ملتا۔ تو بہر حال وہ سکھ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے خواجہ صاحب سے پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے؟ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ مجھے امرتسر جانا ہے۔ پوچھا وہاں کتنا قیام ہے؟ فرمایا کہ ایک ہفتے کا ارادہ ہے۔ اس کافر کے منہ سے نکلا کہ ایک گھنٹے میں تو آپ نے قیامت برپا کردی، مجھ جیسے کافر کا دل ہلا دیا، آپ وہاں ایک ہفتے میں کیا کچھ نہ کر گزریں گے۔ دوستو! اللہ تعالیٰ کی نسبت بہت بڑی نعمت ہے۔ کوئی لاکھ کتابیں پڑھ لے لیکن جب بزرگوں کے کسی صحبت یافتہ کے درد بھرے دل سے بات نکلتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ ؎

داغِ دل چمکے گا بن کر آفتاب
لاکھ اس پر خاک ڈالی جائے گی

یہ خواجہ صاحب کا شعر ہے۔

خانقاہ گلشن کا قیام

حاسدین لاکھ کہیں کہ ارے صاحب! خانقاہ میں سب کھانے پینے کا چکر ہے لیکن سن لو کہ میں اس موقع پر خواجہ صاحب کا یہی شعر پڑھتا ہوں۔ جن لوگوں نے بھی اللہ والوں کی جوتیاں اُٹھائیں تو اللہ اپنے مقبول بندوں کی صحبت کو رائیگاں نہیں جانے دیتے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کھلی ہوئی رحمت کا کرشمہ یہاں اس خانقاہ میں دیکھ لو۔ میں شروع میں ناظم آباد میں ایک چھوٹے سے کوارٹر میں مجلس کرتا تھا جس میں مشکل سے چالیس آدمی آتے تھے، آخر مجمع اتنا بڑھا کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے انہیں باہر بٹھانے لگا، نیم کے درخت کے نیچے فٹ پاتھ پر لوگ بیٹھتے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر میرے شیخِ ثانی شاہ ابرار الحق صاحب نے مجھے لکھا کہ تم کوئی زمین خریدو، وہاں مسجد، مہمان خانہ اور مدرسہ بناؤ، میں دعا کرتا ہوں۔ بس شیخ نے یہ لکھ دیا۔ سچ کہتا ہوں کہ شیخ کا سایہ بہت بڑی نعمت ہے۔ مجھ کو حضرت کی برکت ہی سے یہ زمین ملی ہے۔ حضرت کا یہ جملہ کہ میں دعا کرتا ہوں اس جملے کی برکت سے ایک مہینہ بھی نہیں لگا کہ مجھ کو یہ زمین مل گئی

ورنہ کتنی محنتیں اور بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے مگر حضرت کی کرامت سے ایک مہینے میں زمین مل گئی۔ پھر میں نے حضرت کو خط میں لکھا کہ قانون ہے کہ اگر دو سال کے اندر اندر مسجد نہ بنی تو کے ڈی اے اس زمین کو واپس لے لے گی۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ گھبراؤمت، ان شاء اللہ ایک سال کے اندر ضروری تعمیر ہو جائے گی۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ واقعی ایک سال کے اندر سب ضروری تعمیر مکمل ہو گئی۔

آج سے دو برس پہلے خانقاہ سے متصل مدرسہ کی اس پانچ منزلہ عمارت کے لیے ایک خاتون پندرہ لاکھ روپے دینا چاہتی تھیں لیکن انہوں نے کہا کہ اس پر میرے شوہر کے والد کے نام کا بورڈ لگانا پڑے گا کہ یہ فلاں صاحب کی طرف سے تعمیر ہوا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر میں اسی طرح سب کے والد اور داداؤں کا نام لکھتا رہا تو ہمارا پورا ادارہ ان ہی کے ناموں سے بھر جائے گا۔ بس ہم نے مسجد کے دروازے پر اپنے روحانی دادا کا نام لکھوا دیا ہے یعنی ''بیادگارِ حکیم الامت مجدد ملت''۔ تو اس عورت نے کہا کہ پھر ہم پیسے نہیں دیں گے، میں نے کہا مت دو، لہٰذا اس نے ایک پیسہ نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی عظمت کو قائم رکھنے کے لیے اللہ کی توفیق سے میں نے ان کے پندرہ لاکھ نہیں لیے ورنہ ہزار روپیہ بھی ملتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ لائیے ہم ابھی لکھ دیتے ہیں۔ آپ بہت سے مدرسوں میں جائیں، ہر کمرے کے دروازے پر لکھا ہو گا کہ یہ فلاں نواب کا بنایا ہوا ہے، فلاں حاجی صاحب کا بنایا ہوا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بزرگوں کی نسبت سے توفیق دی۔ پندرہ لاکھ چھوڑے تو چالیس لاکھ میں یہ ساری عمارت تعمیر ہو گئی اور میں ایک پیسے کا بھی مقروض نہیں ہوں۔ الحمد للہ! ایسے مخلص لوگوں نے پیسہ دیا کہ کسی کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ یہ سارا پیسہ کہاں سے آیا۔ ایک شخص نے گیارہ لاکھ روپے دیئے، میں نے کہا یہ لیجیے رسید، انہوں نے کہا کہ رسید مجھے آپ سے قیامت کے دن لینی ہے، میدانِ محشر میں رسید دیجیے گا، اتنے سے کاغذ سے ہمارا بھلا نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے ایسے بندے اور میرے ایسے دوست احباب عطا فرمائے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بات ہے بھی غیرت کے خلاف، جس شخص پر اعتماد ہو اس سے رسید وغیرہ لینے کا تکلف نہیں رہتا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ کوئی کسی اور سے رقم لے کر آئے اور اُسے دکھانے کے لیے رسید لے تاکہ رقم دینے والے کو یقین آجائے کہ ہمارا پیسہ صحیح جگہ پہنچ گیا ہے۔

شیخ کے ساتھ رہنے میں مجاہدات برداشت کرنا

تو میں شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ ابو سعید کا واقعہ سنا رہا تھا کہ آخر میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ جب ان کے شیخ نے دیکھا کہ بھنگن کے کوڑا پھینک دینے سے ان پر کچھ اثر نہیں ہوا بلکہ شیخ کی بھنگن کے گرنے سے رونے لگے کہ ہائے! میرے شیخ کی بھنگن کو چوٹ لگ گئی تو اب شیخ سے نسبت قائم ہو گئی۔ اگر شیخ سے صحیح تعلق ہو تو مرید شیخ کے ادنیٰ خادم، ادنیٰ چوکیدار، ادنیٰ باورچی، ادنیٰ بھنگی سے بھی نہیں لڑ سکتا، اس کی توہین نہیں کر سکتا، ان کے معاملے میں بالکل خاموش رہے گا پھر اس کی زندگی کی بلندی اور اس کے صبر و تحمل کو دوسرے لوگ نہیں پا سکتے۔

اعظم گڑھ میں حاجی نذیر صاحب کے پاس نئی کار آئی تھی، انہوں نے اس میں حضرت کو بٹھایا، میں بھی ساتھ تھا، مجھے کار میں بیٹھا دیکھ کر کئی حاسدین جل کر خاک ہو گئے اور راستے میں سیٹیاں بجانے لگے اور جملے کسنے لگے۔ جب میں حضرت کے ساتھ کھانا کھاتا تھا تو یہ حاسدین دور دور سے مجھے اشارے کرتے تھے یعنی نگل لو لقمے، اُڑالو مال، پیر کے ساتھ تو بڑے مزے اُڑا رہے ہو، مالٹا چوس رہے ہو، مرغی اُڑا رہے ہو، جب پیر کی آنکھیں بند ہوں گی تب پتہ چلے گا، غرض ایسے ایسے جملے کستے تھے کہ اگر کوئی لڑاکا طبیعت کا مالک ہوتا تو نجانے کب کا پھولپور سے نکال دیا جاتا، مگر شیخ کے یہاں تو اکرام سے معاملہ چلتا ہے۔ ان حاسدین کے ستانے پر میں نے یہ شعر کہا تھا۔

جفائیں سہہ کر دعائیں دینا
یہی تھا مجبورِ دل کا شیوہ

میر صاحب کے لیے خصوصیت سے کہتا ہوں کہ اگر محبت کا ایک ذرّہ بھی آپ کے اندر ہے تو آپ خانقاہ کے ایک بھنگی اور جمعدار کا بھی احترام کیجیے لیکن اگر محبت سے خالی ہو تو پھر سب معاف، پھر تم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ میرے ساتھ حاسدین کا مسلسل پندرہ برس تک ستانے کا معاملہ رہا، بارہ برس ہندوستان میں اور تین برس یہاں پاکستان میں۔ آدمی ایک دو دن تو اس طرح

گزار لے مگر اتنا طویل عرصہ گزارنا اللہ کے فضل کے بغیر ناممکن ہے۔ چنانچہ میرے دوست حبیب الحسن خان شیروانی جو حضرت کے بڑے محبوب خلیفہ اور بڑے نواب تھے انہوں نے مولانا ابرارالحق صاحب سے فرمایا کہ حضرت! وہاں کے ایک دن کا مجاہدہ ہم برداشت نہیں کرسکتے، حکیم اختر ایسے ماحول میں کیسے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ مولانا شاہ ابرارالحق صاحب نے اپنے بھائی اسرارالحق صاحب سے جو حیدرآباد سندھ میں وکیل تھے فرمایا کہ میں نے جو کتابوں میں پہلے زمانے کے قصّے پڑھے تھے کہ شیخ پر لوگ اس طرح فدا ہوتے تھے اور اتنے مجاہدات اُٹھاتے تھے، تو میں نے حکیم اختر کو وہ مجاہدات اپنی آنکھوں سے اٹھاتے دیکھا ہے۔

اب لوگ دیکھتے ہیں کہ مسند لگی ہوئی ہے اور مٹھائی کے ڈبے آرہے ہیں، پیر صاحب کے کیا مزے آرہے ہیں۔ جس نے پیر کے بڑھاپے کا زمانہ دیکھا وہ گمراہ ہوجاتا ہے لہٰذا پیر کی جوانی کے مجاہدات کو دیکھو۔ میں سخت گرمی میں جون کے مہینہ میں ایک میل دور سے اپنے شیخ کے وضو کے لیے ندی کا پانی لاتا تھا۔ حضرت کنویں کے پانی سے وضو نہیں کرتے تھے کیوں کہ اس میں ہندو بھی اپنا ڈول ڈالتے تھے، تو حضرت فرماتے تھے کہ اس کنویں سے پانی لینا جائز تو ہے مگر مجھے کراہت محسوس ہوتی ہے۔ گرمیوں میں وہاں کے قریبی تالاب کا پانی خشک ہوجاتا تھا لہٰذا ایک میل دور سے لوہے کا گگرا سر پر رکھ کر ندی سے پانی لانا پڑتا تھا۔ اسی ندی سے میں حضرت کے کپڑے بھی دھوتا تھا۔ میرے شیخ کے یہاں نہانے کا کوئی انتظام نہیں تھا، کوئی غسل خانہ، کوئی لیٹرین نہیں تھا، کھیتوں میں جانا پڑتا تھا، اب بارش ہورہی ہے اور چھتری لیے ہوئے جارہے ہیں، راستے میں بھیگ بھی جاتے تھے۔ ایک دفعہ پھولپور میں سیلاب آیا تو رفع حاجت کی جگہ بھی نہیں تھی کیوں کہ کھیتوں میں چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ اور سردیوں میں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں، بارش ہورہی ہے مگر کہیں گرم پانی کا انتظام نہیں تھا، نہ ہی کوئی غسل خانہ تھا، غسل کرنے کے لیے تالاب میں غوطہ لگاتے تھے جس کا پانی اتنا ٹھنڈا ہوتا تھا کہ ایسا لگتا تھا جیسے بچھو کاٹ رہے ہوں۔ جب مولانا شاہ ابرارالحق صاحب پھولپور آتے تھے تو ہم حضرت کے لیے چارپائیاں کھڑی کرکے اس پر چادریں ڈال کر غسل خانہ بناتے تھے اور پانی گرم کرکے دیتے تھے اور حضرت مجھے دیکھتے تھے کہ یہ اتنی سخت سردی میں تالاب میں غوطے مار رہا ہے۔ تو میں نے ایک دو دن نہیں بارہ برس ایسی سخت زندگی گزاری ہے، بس اللہ ہی نے یہ

ہمت دی تھی، آج سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ کیسے گزر ہو گئی۔

تعلق مع اللہ کی علامت

جب شیخ نظام الدین بلخی نے دیکھا کہ میرے شیخ کا پوتا گنگوہ سے آکر کتّے کی خدمت کرتے کرتے اور جو کی روٹی کھاتے کھاتے سوکھ کے کانٹا ہو گیا ہے اور اس کا غصہ بھی اب ختم ہو گیا ہے۔ بتایئے! گنگوہ کے زمیں دار رئیس، اتنے بڑے شیخ کا پوتا اور بھنگن کے لیے رو رہا ہے کہ ہائے! میرے شیخ کی بھنگن کو چوٹ لگ گئی۔ تو شیخ نے سمجھ لیا کہ اب اسے شیخ سے نسبت قائم ہو گئی اور اس کا نفس مٹ گیا۔ خلافت نفس کے مٹنے پر ملنی چاہیے، اگر شیخ خلافت دے بھی دے تو وہ آیندہ نفس کے مٹنے کی امید پر دیتا ہے ورنہ جس نے اپنے نفس کو نہ مٹایا اور شیخ کے ادب میں فنا نہ ہوا تو سمجھ لو کہ ابھی اس کا قلب نسبت مع اللہ سے محروم ہے۔

جو شاخ جھکی ہوئی نہ ہو، تنی ہوئی کھڑی ہو تو سمجھ لو کہ ابھی اس میں پھل نہیں لگا۔ جس شاخ میں پھل آجاتے ہیں وہ جھک جاتی ہے یا نہیں؟ تو نسبت مع اللہ کے بوجھ کی علامت یہی ہوتی ہے کہ اس میں تواضع، جھکاؤ، فنائیت، خاص کر اہل اللہ کا ادب، شیخ کا ادب، کتابوں کا ادب آجاتا ہے، مجال نہیں کہ کہیں زمین پر کوئی کتاب یا ایسا پرچہ دیکھ لے جس پر اللہ کا نام ہو۔ اس میں ایک خاص شانِ کیفیتِ ادب پیدا ہو جاتی ہے، غصہ کی حالت میں بھی وہ شیخ کے سامنے اپنے کو فنا رکھتا ہے۔ کسی مرید کی مثال نہیں مل سکتی کہ اپنے شیخ کے سامنے وہ بڑھ بڑھ کر بولتا ہو۔ آپ سوچیے! شیر کے سامنے لومڑی کی آواز نکلے گی یا وہ دم بخود رہے گی؟ اگر شیر کھڑا ہو تو یہ لومڑی اور بندر اس کے سامنے کچھ بول سکتے ہیں؟ تو شیخ کی عظمت جب دل پر غالب آجاتی ہے تو کتنا ہی اس کے مزاج کے خلاف بات ہو وہ اس کو پی جائے گا، برداشت کرے گا کیوں کہ اس کے سامنے سورۂ حجرات کی وہ آیت ہو گی کہ اے ایمان والو! میرے نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند مت کرو۔

آدابِ علماءِ ربانیّین

یہ آداب علماء ربانیّین کے لیے بھی ہیں۔ دیکھ لو تفسیر معارف القرآن۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں کہ جیسے آپس میں بات کرتے ہو، میرے نبی سے اس طرح کھل کر بات مت کرو ورنہ تمہارے اعمال ضایع کر دیے جائیں گے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ کے نبی کے سامنے اپنی آواز کو پست کرلیا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی[1]

جو لوگ اپنی آوازوں کو میرے نبی کے سامنے پست رکھتے ہیں میں نے ان کے دلوں کو اپنی دوستی اور اپنی محبت کے لیے منتخب کرلیا ہے۔ یہ انعام تہجد پر نہیں ہے، جہاد پر نہیں ہے، صرف ادبِ رسول کا یہ انعام بیان کیا جارہا ہے کہ جن لوگوں نے میرے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی آوازوں کو پست کرلیا تو یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے اپنے تقویٰ اور ولایت کے لیے قبول کرلیا۔ لہٰذا جس میں بد تمیزی کی عادت ہو تو سمجھ لو کہ وہ ابھی اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوا، یہ اس کے نامقبول ہونے کی دلیل ہے کیوں کہ قضیہ کو عکس کرو یعنی جنھوں نے ہمارے رسول کے سامنے اپنی آوازوں کو ادب سے پست کرلیا ان کے قلوب اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے قبول فرمالیے لہٰذا جو شخص اپنے شیخ کے سامنے بڑھ بڑھ کر بولتا ہے تو سمجھ لو کہ ابھی اس کے قلب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے قبول نہیں فرمایا۔

حضرت خالد بن ولید کی اعلیٰ ظرفی

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بھی امتحان ہوا تھا کہ کمانڈر انچیف ہیں، پوری فوج کے افسرِ اعلیٰ، سپہ سالار ہیں، عین لڑائی کے دوران امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گرامی نامہ جاتا ہے کہ آپ کو کمانڈر انچیف کے عہدے سے معزول کرکے ادنیٰ سپاہی بنایا جاتا ہے، آپ فوراً اپنا عہدہ چھوڑ دیں، آپ کی جگہ فلاں شخص کو مقرر کیا جاتا ہے۔ اگر ان کی جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو بغاوت کردیتا، کہتا کہ عین لڑائی کے وقت ایسا حکم موصول ہونے سے جہاد کا پانسہ پلٹ جائے گا، اس وقت کافروں کے دلوں پر ہمارا جو رعب ہے وہ ختم

[1] الحجرات:۳

ہو جائے گا، ہم جیتی ہوئی جنگ ہار جائیں گے لہٰذا ہم اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے، بعد میں امیر المؤمنین کو سمجھا دیں گے۔ لیکن انہوں نے امیر المؤمنین کا فرمانِ عالیشان پڑھتے ہی فوراً اپنا عہدہ چھوڑ دیا اور سپاہیوں میں آکر اعلان فرمایا کہ خالد بن ولید جس طرح کمانڈر انچیف اور سپہ سالار کی حیثیت سے دین کے لیے جان کی بازی لگا رہا تھا، اب عام سپاہی بن کر بھی اسی طرح اللہ کے دین کے لیے جان لڑا دے گا۔ مقصد جان دینا ہے، سپہ سالار بن کر جان دینے میں اور ایک عام سپاہی بن کر جان دینے میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر حالت میں اخلاص مقصود ہے۔

آپ بتائیے! ایک سپاہی شہید ہوتا ہے اور ایک کمانڈر انچیف شہید ہوتا ہے تو دونوں کی شہادت میں کیا فرق ہے؟ جان اِس کی بھی ہے جان اُس کی بھی ہے۔ لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ حضرت خالد کا اتنا بڑا امتحان تھا کہ آج کل کے بڑے بڑے لوگ فیل ہو جاتے۔ لہٰذا مرید کی حالت کتنی ہی اونچی ہو، شیخ کا فرمان ملتے ہی اسے شیخ کی رائے میں بالکل ہی فنا ہو جانا چاہیے، اپنے کو کچھ نہیں سمجھنا چاہیے، بس شیخ کی رائے کو آخری سمجھنا چاہیے۔ الحمد للہ! میرے اللہ نے مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

شاہ ابو سعید کا تکمیل سلوک

شاہ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہ ابو سعید کے شیخ مولانا سلطان نظام الدین بلخی نے جب دیکھا کہ اب ان کی اصلاح کی تکمیل ہو گئی ہے اور سارا غصہ ختم ہو گیا تو انہوں نے دل میں خیال کیا کہ اب ان کا کام بن گیا تو ایک آخری پرچہ اور لیا اور وہ کیا تھا؟ وہ ایک گھوڑے پر بیٹھے اور فرمایا کہ شکار کے لیے چلو۔ شاہ ابو سعید کتّوں کو باندھے ہوئے چلے، کتّے چھیچھڑے کھا کھا کر تگڑے ہو رہے تھے اور یہ جو کی روٹی کھا کھا کر بالکل کمزور ہو گئے تھے۔ اب جو کتّے شکار کے لیے بھاگے تو یہ اپنی کمر سے کتّوں کی زنجیر باندھے ہوئے تھے، یہ اُن کے ساتھ کچھ دور تک تو بھاگے، پھر گر کر گھسٹنے لگے، آخر بے ہوش ہو گئے، بے ہوش ہو کر بھی گھسٹتے رہے اور کنکر، پتھر، کانٹے سب لگتے رہے۔ جب شیخ نے گھوڑے سے ان کی طرف دیکھا تو خون ہی خون نظر آیا۔

جب شاہ ابو سعید کے قلب میں نسبتِ شیخ آگئی تو شیخ کو منکشف ہو گیا کہ ان کو اللہ کی

نسبت بھی عطا ہوگئی۔ جب کسی صحابی کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ سے اعلیٰ نسبت، جان، مال اور آبرو دینے کی نسبت عطا ہوجاتی ہے تو نبی بھی اس کا مقام سمجھ جاتا ہے۔ اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ترازو کے دوسرے پلڑے میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام انبیاء کے اصحاب کا ایمان رکھ دیا جائے تو ابوبکر صدیق کا ایمان سب سے بڑھ جائے گا۔

شیخ کو نسبت کا پتا چل جاتا ہے، یہ مت سمجھو کہ شیخ ہمیں پہچانتا نہیں، اللہ تعالیٰ جس کو شیخ بناتے ہیں اس پر اپنے تمام دوستوں کی نسبت مع اللہ کا سارا مقام ایسا ظاہر رکھتے ہیں جیسے پائلٹ جب ہوائی جہاز چلاتا ہے تو شیشے سے سب نظر آتا رہتا ہے۔ اسی طرح شیخ کے قلب کو اللہ تعالیٰ صلاحیت عطا فرماتے ہیں، اس کو معلوم رہتا ہے کہ اس کے مرید کو اللہ تعالیٰ سے کس قدر تعلق ہے اور اپنے جسم اور جسم کے تقاضوں سے کتنا تعلق ہے، جس کو اللہ شیخ بناتا ہے اس پر مرید کا سب باطنی حال ظاہر رکھتا ہے۔ میرے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ حضرت حکیم الامت کا جملہ ہے کہ میں اپنے تمام مریدوں کے حالات کو اس طرح جانتا ہوں جیسے جانور پالنے والے اپنے جانوروں کے دانت کو سمجھتے ہیں کہ اب ایک دانت کا ہوگیا، اب دو دانت کا ہوگیا، اب تین دانت کا ہوگیا۔

خیر شیخ کو پتا چل گیا کہ اب شاہ ابوسعید کا کام بن گیا یعنی نفس مٹ گیا۔ یہ آخری پرچہ تھا۔ جب انہوں نے گھوڑے سے مڑ کر دیکھا تو وہ لہولہان ہو رہے تھے، کتّے تو گوشت کھا کھا کر موٹے ہو رہے تھے اور یہ جو کی روٹی کھا کر بالکل کمزور ہوگئے تھے۔ بتایئے! شیخ کے پوتے کے ساتھ یہ معاملہ کیا جارہا ہے۔ لیکن یہ بے رحمی نہیں ہے انتہائی رحم ہے۔ شیخ نے انہیں اس مقام پر پہنچا دیا کہ سارے ہندوستان میں ان کی خوشبو پھیل گئی۔ رات کو سلطان نظام الدین بلخی نے شاہ ابوسعید کے دادا اور اپنے شیخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی نے فرمایا کہ اے سلطان نظام الدین! اے میرے خلیفہ! کیا میں نے تم سے اتنا مجاہدہ کروایا تھا جتنا مجاہدہ تم نے میرے پوتے سے کروایا؟ بس یہاں سے اشارہ ہوگیا، گویا دادا نے خود سفارش کر دی کہ اب ان سے زیادہ مجاہدات نہ کرواؤ، حالاں کہ خود شیخ کے دل میں بھی یہ بات آچکی تھی لیکن عالمِ برزخ سے مزید تائیدِ غیبی ہوگئی جس سے ان کو اور

زیادہ خوشی ہوئی کہ الحمدللہ! گویا میرے شیخ نے بھی کہہ دیا کہ اب مزید مجاہدات کی ضرورت نہیں ہے، بس اب ان کا کام بن گیا۔ چنانچہ صبح اُٹھتے ہی شاہ ابوسعید کو لپٹا کر خوب روئے اور فوراً ان کے کپڑے بدلوائے، اپنا جبہ پہنایا اور اپنا عمامہ ان کے سر پر رکھا اور کہا کہ جاؤ! ہم جو کچھ تمہارے دادا سے لائے تھے سب تمہیں دے دیا۔ تو بزرگوں نے اللہ تعالیٰ کی نسبت حاصل کرنے کے لیے سالکین سے یہ سارے مجاہدات کروائے۔ میرے شیخ شاہ عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

اس کے جلے تو کس نہ بسائے

جو اپنے کو زیادہ جلاتا ہے اس کی خوشبو دور دور تک پھیلے گی۔

عقائد کے تحفظ کے لیے حضرت عمر کے اقدام

اللہ مفت میں حلوہ کھانے سے تھوڑی ملتا ہے، اگر اللہ مفت میں ملتا تو اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیم پیدا نہ فرماتے، ماں باپ کی یتیمی کا کتنا غم ہوتا ہے، پھر دادا اور پھر چچا جو سرپرست تھے ان کا بھی انتقال ہوگیا، پھر حضرت خدیجہ جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت سکون ملتا تھا ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

جس کو تاکوں گا نشیمن کے لیے
وہی ڈالی کاٹ ڈالی جائے گی

انبیاء علیہم السلام کے سارے دنیاوی سہارے ختم کیے جاتے ہیں تاکہ ان کی نظر صرف اللہ پر رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اسی لیے معزول کیا تھا کہ سب کی زبانوں پر یہ بات آنے لگی تھی کہ یہ سب فتوحات حضرت خالد بن ولید کی برکت سے ہورہی ہیں۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرتِ توحید جوش میں آئی کہ فتح تو محض اللہ کی رحمت اور نصرت سے ہورہی ہے، اگر لوگ خالد بن ولید کو فتح کا سبب سمجھ رہے ہیں تو میں ان کو معزول کرتا ہوں۔ تو عظمتِ توحید کی وجہ سے حضرت عمر نے حضرت خالد کو سپہ سالاری کے عہدہ سے معزول کرکے ایک عام سپاہی بنادیا اور پھر بھی جنگ میں فتح ہوئی۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کتنی بلند شان تھی۔ مصر میں جب دریائے نیل کا پانی خشک ہو جاتا تھا تو وہاں کے مقامی لوگ ایک لڑکی کو سجا کر دریا میں ڈال دیتے تھے تب دریا بہتا تھا، یہ سب شیطانی تصرفات تھے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کے نام ایک خط لکھا کہ امیر المؤمنین عمر بنام دریائے نیل، اے دریائے نیل! اگر تو خدا کی مخلوق ہے اور خدا کے حکم سے بہتا ہے تو تجھ کو خدا کی قسم کہ تو جاری ہو جا اور اگر تو اپنی مرضی سے بہتا ہے تو پھر ہمیں تیری ضرورت نہیں۔ چناں چہ جیسے ہی وہ خط دریا میں ڈالا گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے دریا لبالب بھر گیا اور شیطان نے لڑکیوں کے لیے جو عذاب بنا رکھا تھا طلسم و جادو کا وہ سارا کھیل ختم ہو گیا۔

خدا مفت میں نہیں ملتا

جو لوگ چاہتے ہیں کہ خدا مفت میں مل جائے وہ اس دھوکہ سے نکل آئیں۔ مفتی جمیل صاحب نے خواجہ صاحب کو لکھا تھا کہ آپ نے جو کچھ حکیم الامت سے پایا ہے وہ ہمیں بھی دے دیں تو خواجہ صاحب نے حضرت مفتی جمیل صاحب کو جو بہت بڑے عالم اور ہمارے شیخ کے استاد ہیں لکھا کہ ؎

مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الْجَنَّةُ[۲]

اے لوگو! اللہ کا سودا بہت مہنگا ہے، اس کو سستا مت سمجھو، اور گناہوں سے بچنے میں جان کی بازی لگادو پھر اللہ پر فدا ہونے کے بدلے میں تم کو اتنی جانیں عطا ہوں گی کہ ساری دنیا کی جان تمہیں پھسپھسی لگے گی۔ جب کوئی بندہ اللہ پر جان دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جان میں اتنی جانیں عطا کرتا ہے کہ آدمی سے اس کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اللہ کی عنایات اور رحمت کی

[۲] جامع الترمذی: ۲/۱۷، باب صفۃ القیامۃ، ایچ ایم سعید

اس قدر بارش ہوتی ہے کہ بس کیا بیان کروں، آخر ایک دن تو جان جائے گی، ایک دن تو مرنا ہے تو مرنے سے پہلے کیوں نہ اللہ پر مر جاؤ تا کہ اس حیات میں اصلی حیات عطا ہو جائے۔

تمنائے قلبِ اختر

ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پُرانے خادم حاجی افضل صاحب ہیں، یہاں خانقاہ میں اکثر آتے ہیں، آج کل لاہور میں ہیں، ان کو میں نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور آپ کو اللہ کی ولایت کا جو آخری مقام ہے جہاں سے آگے نبوت شروع ہوتی ہے، اس منتہائے ولایت تک پہنچادیں۔ تو انہوں نے لکھا کہ ایسی دعا کا تو ہمیں کبھی تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا، اس دعا سے تو مجھے وجد آگیا۔ میں نے کہا کہ یہ دعا میرے ربّ نے مجھے عطا فرمائی ہے کہ جتنا میں دے سکتا ہوں اتنا تو مانگ لو، نبوت تو اب نہیں دوں گا کیوں کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا لیکن ولایت کا دروازہ آخری حد تک کھلا ہوا ہے لہٰذا جہاں تک میرا دروازہ کھلا ہوا ہے اتنا تو مانگ لو۔ اگر تم نالائق ہو تو کیا ہوا، میں تو لائق ہوں، دینے والا کریم مولیٰ ہوں۔

چھ سات سو برس پہلے کا قصہ ہے، چند مکھیاں شاہِ ایران پر بیٹھنے لگیں تو بادشاہ نے اپنے غلام سے کہا کہ رمضانی مگساں می آید، اے رمضانی! مکھیاں میرے پاس آرہی ہیں۔ تو اس نے کیا جواب دیا؟ بادشاہوں کے غلام بھی عجیب ہوتے ہیں، خدائے تعالیٰ بادشاہوں کو لائق اور ذہین خادم دیتا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے بہترین رفیق مانگو۔ اے خدا! ہمیں بہترین رفیق عطا فرما، مجھ کو بھی بہترین بنادے اور مجھے رفیق بھی بہترین، اعلیٰ فہم والے اور آپ پر جان دینے والے عطا فرما۔ یہ معنیٰ ہیں میرے اس شعر کے ؎

میری زندگی کا حاصل میری زیست کا سہارا
تیرے عاشقوں میں جینا تیرے عاشقوں میں مرنا

یعنی اے خدا! اختر کو اپنے عاشقوں کے جھرمٹ میں زندہ رکھ۔ دنیاوی عاشق جو ہوتا ہے وہ چاہتا ہے کہ میں حسینوں کے جھرمٹ میں رہوں، میرے پاس چاروں طرف حسین عورتیں بیٹھی ہوں مگر جانِ اختر اللہ تعالیٰ سے یہ فریاد کرتی ہے کہ اے خدا! مجھے اولیاء اللہ کے جھرمٹ

میں زندگی عطا فرمائیے۔ جو بندہ اللہ پر فدا ہو روحانی طور پر وہ چاند اور سورج سے زیادہ حسین ہے، جن کے قلب میں خدا کا نور ہے ان کے سامنے چاند اور سورج کی کیا حقیقت ہے کیوں کہ چاند اور سورج اپنی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے بِھک منگے ہیں۔ مولانا رومی نے فرمایا۔

گر تو ماہ و مہر را گوئی خفا
گر تو قدِ سرو را گوئی دوتا

اگر آپ چاند اور سورج کو فرمادیں کہ تم بالکل مخفی اور بے نور ہو، تمہارے اندر کچھ چمک نہیں ہے اور اگر سرو کے درخت کو اے خدا! آپ فرمادیں کہ تم سیدھے نہیں ہو، ٹیڑھے ہو، حالاں کہ اس کے سیدھے پن پر شاعر اس کو معشوقوں کے قد سے تشبیہ دیتے ہیں۔

گر تو کان و بحر را گوئی فقیر
گر تو چرخ و عرش را گوئی حقیر

اور اے خدا! اگر آپ سونے اور چاندی کی کانوں کو اور سمندر کے کروڑوں کروڑوں موتیوں کو فرمادیں کہ اے سمندرو! اور اے کانو! تم سب فقیر ہو، بِھک منگے ہو اور اگر آسمانوں اور ساتوں آسمانوں کے گھیرنے والے عرشِ اعظم کو فرمادیں کہ تم حقیر مخلوق ہو۔

ایں بہ حد باکمال تو روا است
ملک و اقبال و غنا ہا مر تو راست

تو آپ کے کمالات کے مقابلے میں آپ کو یہ سب کچھ کہنا زیبا ہے یعنی آپ چاند و سورج کو بے نور کہہ سکتے ہیں کیوں کہ ملک، اقبال اور عزت سب آپ ہی کے لیے زیبا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے بہترین رفیق مانگتا ہوں کہ اے خدا! مجھے ایسے رفیق عطا فرما جو ہر سانس اپنی جان کو آپ پر فدا کرنے کے لیے بے چین اور مضطرب ہوں اور ایک سانس بھی آپ کی ناراضگی میں گزارنے سے ایسے کانپتے ہوں جیسے کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے۔ اللہ کی ناراضگی میں دوزخ سے زیادہ عذاب ہے اور اللہ کی رضا جنت سے زیادہ لذیذ ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا خوش ہو جانا جنت سے زیادہ لذیذ ہے اور اللہ کی ناراضگی دوزخ سے زیادہ کڑوی ہے۔ خدا اختر کو اور ہم سب کی جانوں کو ایسی حیات عطا فرمائے کیوں کہ ان سے مانگنے میں کیا حرج

ہے؟ بھئی! جو کچھ مانگنا ہے اللہ پاک ہی سے مانگو، اگر ان سے نہیں مانگیں گے تو پھر کس سے مانگیں گے؟ لیکن بہترین رفیق مانگنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ ہمارے دوستوں کو اس مقام تک پہنچادے، یہ مطلب نہیں ہے کہ میں دوسرے لوگ مانگ رہا ہوں، آپ لوگ کہیں گے کہ صاحب! شاید ہم لوگ گھٹیا مال ہیں جو یہ اپنے لیے دوسرے لوگ مانگ رہے ہیں۔ نہیں! میرا مقصد یہ ہے کہ اللہ مجھ کو اور میرے دوستوں کو اعلیٰ مقام تک پہنچادے، یہ مطلب نہیں کہ میں اس مقام پر رہوں، مقصد یہ ہے کہ اللہ میری اس تمنا کو، اس مراد کو قبول فرمائیں اور مجھ کو اور میرے دوستوں کو ایسا ہی بنادیں۔

دنیا میں رہ کر لذتِ جنت کا حصول

جب یہ مقام مل جائے گا پھر پتا چلے گا کہ زندگی کیا چیز ہے۔ جو لوگ آج مثلِ کرگس مردے کھا رہے ہیں، جس دن بازِ شاہی ہو کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور ذکر کے موتی چنیں گے، جس دن مثلِ ہنس ہو جائیں گے تب پتا چلے گا کہ کوّے اور چمگادڑ جو صبح اُٹھ کر پیشاب پاخانہ کھاتے پیتے ہیں اور ہنس جو موتی چگتا ہے ان دونوں کی حیات میں کیا فرق ہے؟ پھر اس دن تم اپنے ماضی کی حیات پر خون کے آنسو رو کر بھی اس کی تلافی نہیں کر سکو گے۔ ایسے ہی جو لوگ عشقِ مجازی میں مبتلا ہیں وہ کرگس ہیں، گدھ ہیں، صبح اُٹھتے ہی کسی حسین شکل کو تلاش کرتے ہیں کہ اس سے منہ کالا کریں، اور جو لوگ ہنس ہیں، اللہ والے ہیں وہ صبح اُٹھتے ہی اللہ کے ذکر کے موتی چنتے ہیں۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ بازِ شاہی اپنے شاہ کے پاس جاتا ہے۔ اللہ والوں کی روح بھی بازِ شاہی ہے، اللہ کے ذکر کو تلاش کرتی ہے۔ جس وقت زاغیت اور کرگسیت، بازِ شاہیت سے تبدیل ہو جائے گی یعنی آپ کی روح کو اللہ تعالیٰ اپنی ولایت اور خاص قرب سے نوازش فرمائیں گے تب آپ کو اپنا گندا ماضی یاد آئے گا کہ آہ! وہ کیا زمانہ تھا جب ہم مردوں کے پیچھے پھرتے تھے، مرنے والوں کے پیشاب پاخانے سے بھرے ہوئے جسم، مرنے سڑنے، قبروں میں گلنے والی لاشوں کے چکر میں تھے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ درد بھرے دل سے ایک مرتبہ اللہ کہو تب معلوم ہو گا کہ آہ! یہ جنت کے مزے کہاں سے آرہے ہیں بلکہ ان کے نامِ پاک کے صدقے میں دونوں جہاں کے مزے ملتے ہیں۔ مجھے ایک شعر یاد آگیا۔

دل کی گہرائی سے تیرا نام جب لیتا ہوں
چومتی ہے میرے قدموں کو بہارِ کائنات

حلاوت نام پاکِ کبریاء کی

اس لیے دوستو! اپنے نفسِ کرگس کو بہت آزما چکے اور بہت حسینوں کو دیکھ چکے، ان حسینوں کے ساتھ کتنوں کے منہ کالے ہو چکے، اب اپنی جان پر رحم کرو، ہمت کرکے اپنی زندگی اور اپنی روح کی پرواز کا رُخ موڑ دو، بجائے اس کے کہ دنیائے مردار کی طرف مڑو، اللہ کی طرف پرواز کرو مگر اکیلے نہیں اُڑ سکو گے، کسی اُڑنے والے کے ساتھ اُڑو کیوں کہ کبوتر کبوتر کے ساتھ اُڑتا ہے اور کوّا کوّے کے ساتھ اُڑتا ہے، تم اللہ کے کسی ایسے عاشق کو تلاش کرو جو خدائے تعالیٰ کی طرف اُڑ رہا ہو، تم بھی اپنی پرواز کو اس کے ساتھ موڑ دو۔ پھر دیکھو ان شاء اللہ ہر لمحۂ حیات ہفت اقلیم کی سلطنت سے افضل محسوس ہوگا۔ جب محبت بھرے قلب سے اللہ کا نام لوگے تو ساری ٹیڈیاں بھول جاؤ گے۔ ان ٹیڈیوں پر مرنے والے ہر وقت سر پیٹتے رہتے ہیں۔ کسی ٹیڈی سے دل لگایا اور اس کے گال میں کینسر ہو گیا یا اسے ہیضہ ہو گیا تب تمہارا عشق بھی ہوا ہو گیا۔ دیکھو ہسپتالوں میں ان ٹیڈیوں کا کیا حال ہے۔ اپنی حلال کی بیوی سے محبت میں تو کوئی حرج نہیں ہے، وہ تو جائز ہے مگر جس کے پاس حلال کی نہ ہو تو حرام کے پیچھے مت پڑو۔ اس پر میرا ایک شعر ہے۔

جب نہیں دی مجھے حلال کی مے
کیوں پیوں چھپ کے میں حرام کی مے

ترکِ اسباب کی حقیقت

بہت سے بندے ایسے ہیں جن کے پاس حلال کی نہیں ہے، ان کی شادی نہیں ہوئی یا بیوی کا انتقال ہو گیا یا بیوی اتنی بیمار یا بڈھی ہو گئی کہ اب اس میں وہ جوانی والا نشہ نہیں رہا تو اگر خدا نے حلال کی نہیں دی تو ان کے نام سے مست رہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں فرمایا ہے

اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ،[۳] کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہاں اس آیت نے بتادیا کہ اگر کھانا نہ ہو، پینا نہ ہو، مکان نہ ہو، کچھ نہ ہو تب بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہماری تربیت کے لیے کافی ہیں۔ ایسے کتنے واقعات ہوئے ہیں مثلاً ایک صحابی ایک مہینے تک زم زم پر گزارا کرتے رہے اور ان کو کمزوری بھی محسوس نہیں ہوئی۔ لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم سب چھوڑ چھاڑ کے بیٹھ جائیں، اسباب چھوڑنا جائز نہیں ہے لیکن اگر خود چھوٹ جائیں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی خاص فضل دِکھانا چاہتے ہیں کہ میں ہی تمہارے لیے کافی ہوں۔ ایک جہاد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی اُٹھائی اور اسے کافروں کی طرف پھینکا، کوئی کافر نہیں بچا کہ جس کی آنکھ میں وہ ذرّہ نہ گھسا ہو۔ کیا یہ سائنس کے ذریعہ سے گھسا تھا؟ اس کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی[۴]

جو آپ نے پھینکا تھا وہ آپ نے نہیں پھینکا تھا بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔

آپ واسطہ تھے، کام میرا تھا۔ اس لیے یہ بات عرض کردی کہ اپنی روح کی پرواز کا رُخ اللہ کی طرف موڑ دو ورنہ پھر ہم سب کو موت کے وقت پچھتانا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا فرض ہے

جس شخص نے دنیا سے دل لگایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی پرواز تیز نہ ہوئی تو اسے پچھتانا پڑے گا۔ ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کا بیان سن کر مجھے اپنے ماضی پر رونا آرہا ہے، اب تک ہم کہاں تھے، ہم کو گلشنِ اقبال کی اس خانقاہ کی خبر ہی نہیں تھی۔ تو ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بہت دیر سے صحیح خبر ملی۔

اس پر ایک انگریز کی بات یاد آئی۔ محرم میں کچھ شیعہ اپنا سینہ پیٹ رہے تھے۔ اس انگریز نے کہا کہ یہ کیا کررہے ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ حضرت حسین کے غم میں ماتم کررہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ حسین کون ہیں؟ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے، وہ محرم میں

۳؎ الزمر:۳۶

۴؎ الانفال:۱۷

شہید ہوئے تھے۔ اس نے کہا کہ کتنا زمانہ ہوگیا شہید ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ چودہ سو برس ہوگئے۔ تب اس انگریز نے کہا کہ ان لوگوں کو اتنی دیر میں خبر ملی یعنی اگر آدمی کربلا سے پیدل بھی چلے تو زیادہ سے زیادہ دو برس چاہئیں، مگر یہ کیسی خبر ہے کہ چودہ سو برس میں آئی ہے۔ تو یہ اس نے صحیح بات کہی۔ اسلام میں صرف تین دن کا سوگ ہے، تین دن کے بعد سوگ منانا جائز نہیں ہے اور پھر شہادت تو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ آہ! بس اب کیا کہیں کہ اس وقت یہ موضوع مناسب نہیں ہے۔

میں پھر اعلان کرتا ہوں کہ اپنی روح کی پرواز کو اللہ کی محبت کے لیے بدل دو، ورنہ پچھتانا پڑے گا۔ اسی طرح بعض لوگوں کا رخ اللہ کی طرف تو ہے مگر وہ مال گاڑی کی طرح سست رفتاری سے چل رہے ہیں، ان سے کہتا ہوں کہ جمبو جیٹ سے بھی زیادہ تیز اُڑو، اس لیے کہ زندگی ایک ہی دفعہ ملی ہے، یہ دوبارہ نہیں ملے گی۔ کیوں صاحب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ اب تو جیسے چل رہے ہیں چلنے دو، جب دوبارہ آئیں گے تب اللہ کی طرف چلیں گے۔ ہمیں بتاؤ کہ تم جس کی طرف اُڑ رہے ہو وہ تمہارے لیے دنیا میں اور آخرت میں کتنا مفید ہے؟ ہمیں دلائل سے سمجھادو۔ مجھے نفس کی غلامی والا غلامانہ جواب مت دو۔ مجھے مردانگی والا جواب دو، نفس کی غلامی کے طوق کو توڑ کر پھر جواب دو کہ جس سے دل بہلایا جارہا ہے، ٹیلی وِژن ہو، وی سی آر ہو، ٹیڈی ہو وہ تمہارے کس کام آئیں گے؟ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ حلال چیزوں کے بھی زیادہ گرویدہ مت ہو۔ ماں باپ کی محبت جائز ہے کہ نہیں؟ بلکہ مستحب اور باعثِ ثواب ہے، ماں باپ کی محبت، بیوی بچوں کی محبت جائز ہے، مستحب ہے، باعثِ ثواب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت کو ان پر غالب رکھنا فرض ہے۔

ایک عالم نے حضرت حکیم الامت تھانوی کو لکھا کہ جب میں اللہ اللہ کرتا ہوں تو میری بیوی کا تصور میرے سامنے رہتا ہے، میں کیا کروں؟ حضرت نے فرمایا کہ کوئی ضرر کی بات نہیں ہے، یہ غیر اختیاری چیز ہے بلکہ حلال بیوی کو پاس بٹھا کر بھی اللہ اللہ کرسکتے ہو۔ ہاں گود میں بٹھا کر اللہ اللہ نہ کرو کیوں کہ خطرہ ہے کہ بے وضو ہوجاؤ گے اور جس چیز سے آدمی بے وضو ہوجائے اس سے دور رہو۔ اسی لیے رمضان کے مہینے میں روزے کی حالت میں بیوی سے قرب کو منع کیا گیا ہے۔

نفسانی اور روحانی محبت میں فرق

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب نفسانی اور روحانی محبت میں کیا فرق ہے؟ روحانی محبت کی تعریف یہ ہے کہ اس سے روح اللہ تک اُڑنے لگے اور وہ اس میں باوضو رہے، پاک رہے اور اس پاک ذات کی طرف رواں دواں رہے۔ اور نفسانی محبت وہ ہے جس سے انسان ناپاک رہے اور حق تعالیٰ کی طرف لے جانے والی قوتِ پرواز مفلوج ہوتی چلی جائے، اس کا تجربہ کرکے دیکھ لو۔ مخلوط تعلیم میں کیا ہوتا ہے، کسی ٹیڈی کے ساتھ آدمی دیر تک بات چیت کرے تو لیبارٹریز میں اس کی میانی دیکھ لو، یہ لوگ غیر شعوری طور پر وضو شکن ہیں، حسن کا قرب وضو شکن ہے، اس کا تصور بھی وضو شکن ہے۔ بھئی! مجھے تو اس کی خوب خبر ہے کیوں کہ میں حکیم جسمانی بھی ہوں اور حکیم روحانی بھی ہوں۔ ایک نوجوان نے بتایا کہ میری بیوی جب میرے سر میں تیل لگاتی ہے تو میں فوراً بے وضو ہو جاتا ہوں۔ اب آپ بولیے! حلال محبت سے بھی آدمی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ میں جب امامت کرتا ہوں یا نماز پڑھتا ہوں تو وضو کرکے جب تک نماز نہیں پڑھ لیتا ہوں بیوی کو اپنے کو چھونے بھی نہیں دیتا۔ بعض علاقے حساس ہوتے ہیں، وہاں کرفیو لگانا پڑتا ہے۔

اب شاہِ ایران کا قصہ سن لو! اللہ کریم ہے اور ہم نالائق ہیں، تو اللہ کے کرم پر یہ قصہ سنایا تھا کہ شاہِ ایران نے اپنے غلام رمضانی سے کہا کہ رمضانی! مگساں می آید، مگس مکھی کو کہتے ہیں اور مگس کی جمع مگساں ہیں یعنی مکھیاں میرے پاس آرہی ہیں۔ تو وہ کیسا لائق اور حاضر جواب غلام تھا، بادشاہوں کو اللہ خادم بھی ایسے ہی دیتا ہے، اس نے کہا کہ حضور! ناکساں پیشِ کساں می آید، نالائق لائق کے پاس آرہی ہیں۔

روحانی پرواز میں رکاوٹ کا بڑا سبب بد نظری ہے

دوستو! بظاہر قصہ سنانے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے اللہ کی محبت سیکھو۔ اگر شیطان کہے کہ تم نالائق ہو تو کہہ دو کہ میں تو ناکس ہوں، نالائق ہوں مگر اپنے لائق مالک کے پاس آیا ہوں، میرا پالا کریم مالک سے پڑا ہے۔ لہٰذا اسی سے مانگو اور ہمت سے کام لو، اللہ کی پکڑ اس بات

پر ہو گی کہ تمہارے پاس ہمت تھی لیکن پھر بھی تم نے اپنی قوتِ پرواز کو عشقِ مجازی کی گوند سے مفلوج کر دیا تھا۔ تم نے کیوں بد نظری کی تھی؟ کیوں ان حسینوں سے دل لگایا تھا؟ اسی لیے بد نظری کو شریعت میں حرام قرار دیا ہے۔ جو روح اللہ کی طرف اُڑ رہی ہے اگر اس سے بد نظری ہو جائے تو اس کی پرواز میں گوند لگ جائے گا، پھر اس کی تلاوت میں بھی حلاوت نہیں رہتی، ساری مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ جو چیز بھی ہماری پرواز میں حائل ہو اس سے دور رہو۔ دیکھو! جب جہاز اُڑتا ہے اور کوئی چڑیا اس کے پنکھے میں پھنس جائے تو جہاز کو نقصان پہنچتا ہے یا نہیں؟ حالاں کہ جہاز کتنا بڑا ہوتا ہے اور چڑیا چھوٹی سی ہوتی ہے۔ تو بے شک ہماری روح بہت بڑے ایمان والے انجن کے ساتھ اللہ کی طرف پرواز کر رہی ہو مگر خبر دار! ایک چھوٹی ٹیڈی بھی تمہارے انجن میں گوند لگا دے گی۔ لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ ہمارا ایمان تو بہت بڑا ہے، جمبو جیٹ جہاز کتنا بڑا ہوتا ہے لیکن اخباروں میں آتا ہے کہ ایک پرندہ اس کے انجن میں گھس گیا اور اس کا انجن ہی فیل ہو گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی حفاظت کروا کے ہماری روح کی پرواز کی طاقت بڑھا دی کہ جو بندے ہماری طرف اُڑ رہے ہیں کہیں ان کی پرواز میں کمی نہ آجائے کیوں کہ یہ بھی مٹی کے ہیں اور وہ حسین بھی مٹی کے ہیں تو مٹی مٹی کے ساتھ مل کر کہیں اس کی طرف مائل نہ ہو جائے، کیوں کہ ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔

آج میرا بیان کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، بخار بھی تھا، لیکن اللہ کے فضل سے یہ مضمون بیان ہو گیا۔ بس اب دعا کر لو اللہ اپنی رحمت سے اس خانقاہ کو سارے عالَم کے لیے فیض گاہ بنا دے۔ یا اللہ! اپنی رحمت سے ہمارے بزرگوں کے فیض کو سارے عالَم میں پھیلا دے اور اختر کو اس کا واسطہ بنا دے۔ یاربّ العالمین! جو وعظ ہوئے ہیں ان کی کتابت، ان کی طباعت کا انتظام غیب سے فرما دے اور ہم کو اتنا روپیہ عطا فرما دے کہ سارے عالَم میں یہ سب رسالے تقسیم ہو جائیں اور سارے عالَم میں اللہ تعالیٰ اس خانقاہ کو بین الاقوامی فیض گاہ بنا دے اور اپنی رحمت سے میرے دوستوں کو، سامعین کو، جانشینوں کو کسی کو محروم نہ فرما، جو بھی خانقاہ آئے محروم نہ جائے۔ یاربّ العالمین! ہر شخص کو اپنی محبت کا درد عطا فرما، جتنے بھی میرے دوست ہیں، میرے احباب ہیں، میرے گھر والے ہیں، میرے پوتے ہیں، نواسے ہیں، ان کے گھر والے ہیں سب کو اے اللہ اپنی رحمت سے اپنی نسبت اور محبت کا وہ دردِ عظیم عطا فرما جو آپ اپنے اولیاء کے

دلوں کو عطا فرماتے ہیں، اگرچہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں مگر ہم اس بات پر شکر گزار ہیں کہ ہمارا پالا آپ جیسے ربِّ کریم سے پڑا ہے، آپ ہمارے کریم ربّ ہیں، کریم مالک ہیں، اے مولائے کریم! کریم کی تعریف یہ ہے کہ جو نالائقوں پر فضل کر دے، اس لیے ہم اپنی نااہلیت کو کیا دیکھیں ہم آپ کی طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کریم مالک ہیں لہٰذا اپنے کریم ہونے کے صدقے میں ہم نالائقوں کو بدونِ استحقاق اولیاء صدیقین کی آخری سرحد تک پہنچا دیجیے جہاں ولایت ختم ہوتی ہے اور منتہائے ولایت کے بعد پھر نبوت شروع ہوتی ہے۔ اللہ اختر کو، اس کے احبابِ خصوصی کو اپنی رحمت سے وہاں تک پہنچا دے، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
يَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامُ

❖❖❖❖

دُعا

ایسی صورت جو مجھے آپ سے غافل کر دے
اے خدا اس سے بہت دور مرا دل کر دے

اپنی رحمت سے تو طوفان کو ساحل کر دے
ہر قدم پر تو مرے ساتھ میں منزل کر دے

اے خدا دل پہ مرے فضل وہ نازل کر دے
جو مرے دردِ محبت کو بھی کامل کر دے

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجددِ زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس وعظ سے کامل نفع حاصل کرنے کے لیے یہ دستور العمل کیمیا اثر رکھتا ہے

دستور العمل

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

وہ دستور العمل جو دل پر سے پردے اٹھاتا ہے، جس کے چند اجزاء ہیں، ایک تو کتابیں دیکھنا یا سننا۔ دوسرے مسائل دریافت کرتے رہنا۔ تیسرے اہل اللہ کے پاس آنا جانا اور اگر ان کی خدمت میں آمد ورفت نہ ہو سکے تو بجائے ان کی صحبت کے ایسے بزرگوں کی حکایات وملفوظات ہی کا مطالعہ کرو یا سن لیا کرو اور اگر تھوڑی دیر ذکر اللہ بھی کر لیا کرو تو یہ اصلاحِ قلب میں بہت ہی معین ہے اور اسی ذکر کے وقت میں سے کچھ وقت محاسبہ کے لیے نکال لو جس میں اپنے نفس سے اس طرح باتیں کرو کہ:

”اے نفس! ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ موت بھی آنے والی ہے۔ اُس وقت یہ سب مال ودولت یہیں رہ جائے گا۔ بیوی بچے سب تجھے چھوڑ دیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سے واسطہ پڑے گا۔ اگر تیرے پاس نیک اعمال زیادہ ہوئے تو بخشا جائے گا اور گناہ زیادہ ہوئے تو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا جو برداشت کے قابل نہیں ہے۔ اس لیے تو اپنے انجام کو سوچ اور آخرت کے لیے کچھ سامان کر۔ عمر بڑی قیمتی دولت ہے۔ اس کو فضول رائیگاں مت برباد کر۔ مرنے کے بعد تو اُس کی تمنا کرے گا کہ کاش! میں کچھ نیک عمل کر لوں جس سے مغفرت ہو جائے۔ مگر اس وقت تجھے یہ حسرت مفید نہ ہوگی۔ پس زندگی کو غنیمت سمجھ کر اس وقت اپنی مغفرت کا سامان کر لے۔“

زندگی ایسی قیمتی اور بے بہا نعمت ہے جو ایک دفعہ ہاتھ سے نکل جائے تو دوبارہ لوٹ کر نہیں آتی۔ اس جہاں میں رہ کر ہی انسان اپنا روحانی تعلق اللہ کی ذات سے قوی سے قوی تر کر سکتا ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین نے اپنی روح کی پاکیزگی پر نہایت اہمیت سے توجہ مرکوز رکھی اور دوسروں کی روح کو بھی اللہ کی طرف مائل بہ پرواز رکھتے رہے۔

شیخ العرب والعجم عارف باللہ مجدد زمانہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعظ ''روحانی ترقی کے راستے'' میں اسی بات کی ترغیب دی ہے کہ روح کی پرواز کو اللہ کی محبت کی سمت کر دیں ورنہ سخت محرومی کی حالت میں دنیا سے جائیں گے۔ بعض لوگوں کا رخ اللہ کی طرف تو ہے مگر رفتار نہایت سست ہے، جب کہ بہت سے لوگوں کا رخ اللہ کی مخالف سمت ہے۔ ان سب کے لیے یہی نصیحت ہے کہ وہ جس طرف جا رہے ہیں اس کے بارے میں اتنا غور کر لیں کہ اس راہ پر چلنا دنیا اور آخرت کے لیے فائدہ مند بھی ہے یا نہیں؟

www.khanqah.org

AW142